# مولانا ظفر علی خان کی اسلامی بازار تحریک

## کمزور مسلم معیشت کے احیا کی ایک کوشش

احمد سعید*

مولانا ظفر علی خان ایک ہمہ جہت شخصیت تھے۔ جہاں وہ ایک طرف بہت بڑے شاعر تھے وہیں ان کی اخبار نویسی پر کوئی کافر ہی شک کر سکتا ہے۔ نعتیہ شاعری میں انھوں نے جو نام کمایا ہے، بہت کم لوگ ہی اس مقام کو پہنچ سکے ہیں۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار حکیم عنایت اللہ سوہدروی اور نظیر حسنین زیدی کے وقیع کاموں کے باوجود ابھی مولانا ظفر علی خان کی زندگی کے بہت سے اہم گوشے مخفی ہیں جن پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

سطورِ بالا میں مولانا کی شاعری کا ذکر ہوا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ مولانا نے شاعری کے میدان میں کہاں کہاں اپنے گھوڑے دوڑائے ہیں۔ مولانا ظفر علی خان نے ۱۹۳۷ء میں انڈین لیجسلیٹو اسمبلی کے انتخابات میں کامیابی حاصل کی تھی، اور ۱۹۴۶ء تک مرکزی اسمبلی میں اپنی خداداد صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کرتے رہے۔ مرکزی اسمبلی میں بطور رکن آپ کی تقاریر، تحاریکِ التوا اور سوال جواب اتنا وسیع موضوع ہے کہ اس پر کئی کتب لکھی جاسکتی ہیں۔ راقم نے مولانا کی اسمبلی کی تقاریر کو مدوّن کیا ہے لیکن مولانا ظفر علی خان ٹرسٹ پر غاصبانہ قبضے کے بعد یہ تمام معاملات معرضِ التوا میں چلے گئے۔ پاکستان کے تحقیقی اداروں کی بربادی کی داستان میں یہ ایک جدید اضافہ ہے۔

اگر آپ مولانا کی تقاریر کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ پاکستان جیسے اہم موضوع پر انھوں نے جس انداز میں مدلّل گفتگو کی ہے شاید وہ انہی کا حصہ تھا۔

یہ بات دل چسپی سے خالی نہیں کہ ایوانِ اسمبلی میں بھی مولانا اپنی شاعری کا بھرپور مظاہرہ کرتے رہے۔ اس ضمن میں ایک دل چسپ واقعہ پیشِ خدمت ہے:

۱۴ مارچ ۱۹۴۱ء کو مرکزی اسمبلی میں انڈین فنانس بل پر تقریر کرتے ہوئے آپ نے اسمبلی کے صدر سر عبدالرحیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

* سابق صدر شعبۂ تاریخ، ایم اے او کالج، لاہور / اسلامیہ کالج، لاہور

جناب صدر اس ایوان کے ممبران کہانیاں سنانے کے بہت شوقین ہیں اور اس ایوان میں ڈاکٹر ضیاالدین احمد سب سے بڑے کہانی کار ہیں۔ میں نے ان کی کہانیاں سُن رکھی ہیں اور میں نے ہوم ممبر اور سر اینڈریو کلو (Sir Andrew Clow) کی کہانیاں بھی سُنی ہیں۔ سر ہومی مودی بھی ایک اچھے کہانی سنانے والے ہیں۔ آج میں بھی آپ کو ایک کہانی سنانے چلا ہوں لیکن یہ کہانی ایک نظم کی صورت میں ہوگی۔ اگر آج سرکاری بنچوں پر بیٹھنے والے ارکان موجود ہوتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ کہانی یہ ہے:

صدر ہیں قانون کے ایوان کے سر عبدالرحیم	جس کے ہر گوشے پہ رکھتے ہیں نظر عبدالرحیم
بات اگر سچی ہو اور کہنا ہو اس کا ناگزیر	سب میں کہہ دیتے ہیں بے خوف و خطر عبدالرحیم
ضابطے کو توڑتا ہو گر حکومت کا غرور	اٹھ کے ہو جاتے ہیں خود اس کے بھی سر عبدالرحیم
کھاؤ لے کر ان سے پاپڑ مغربی انصاف کے	بیلتے جن کو رہے ہیں عمر بھر عبدالرحیم

اس پر سر عبدالرحیم نے مولانا ظفر علی خان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ بہتر یہی ہے کہ کرسیٔ صدارت کو زیرِ بحث نہ لایا جائے۔ اس پر مولانا ظفر علی خان نے فوراً کہا کہ جناب میں تو کرسیٔ صدارت کی کہانی سنا رہا ہوں۔ سر عبدالرحیم نے کہا کہ چوں کہ اس وقت میں ایوان کی کارروائی چلا رہا ہوں اس لیے مناسب یہی ہے کہ مجھ پر اظہارِ خیال سے اجتناب کیا جائے۔ مولانا بھلا کہاں رکنے والے تھے فوراً فرمایا کہ:

انتظار آزادیٔ کامل کا اس کرسی کو ہے
جلوہ گر ہیں جس پہ با صد کرّوفرّ عبدالرحیم

مولانا نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اس نظم میں بہت سی باتوں کا تعلق سر اینڈریو کلو اور سر ریجنلڈ میکسویل (Reginald Maxwell) سے ہے لیکن چوں کہ کرسیٔ صدارت نے میری "زبان بندی" کر دی ہے اس لیے میں کسی اور موقع پر اس کا ذکر کروں گا لیکن ساتھ ہی ایک اور شعر ایوان کو سنا دیا۔

کانگرس ہو لیگ ہو، ہندو ہوں یا انگریز ہوں
دیکھتے اک آنکھ سے ہیں سب کو سر عبدالرحیم

اس پر پھر سر عبدالرحیم نے مولانا سے انگریزی میں گفتگو کرنے کو کہا:

مولانا ظفر علی خان نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ جنابِ صدر جس وقت آپ کی جگہ ڈپٹی پریزیڈنٹ کرسیٔ صدارت پر متمکن ہوں گے تو میں یہ نظم مکمل کر دوں گا۔ ساتھ ہی آپ نے اس بات کی وضاحت کی کہ

انھوں نے اس نظم میں کسی کی تعریف نہیں کی بلکہ محض حقائق بیان کیے ہیں۔ ملک کی سیاسی صورتِ حال کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ اہلِ ہند سے مشورہ کیے بغیر برطانوی حکومت جنگِ عظیم میں کود پڑی۔ ادھر جنگِ عظیم کے سبب یورپ کی نسبت ہند میں ایک بہت بڑا تعطل (Deadlock) پیدا ہو گیا۔ کچھ دوستوں نے حسبِ عادت اس تعطل کی ذمہ داری برطانوی حکومت پر ڈال دی۔ اگرچہ ایک حد تک تو یہ بات صحیح ہے لیکن اس کی بڑی حد تک ذمہ داری خود ہندو مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے۔ اگر ہم اپنے اختلافات ختم کر کے ایک "باعزت سمجھوتے" پر پہنچ جاتے تو برطانوی حکومت خواہ کتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہوتی ہمارا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ ہمارے اختلافات کی داستان ہمیں دو بھائیوں کی کہانی کی طرف لے جاتی ہے جن کے والد کے فوت ہونے کے بعد ان میں ایک عالیشان مکان کی تقسیم کا معاملہ درپیش ہوتا ہے۔ بڑے بھائی میں مہاتما گاندھی کی تمام خصوصیات موجود تھیں اور مسٹر جناح میں چھوٹے بھائی کی۔ اب بڑے بھائی نے اٹھ کر کہا کہ:

از صحن خانہ تابہ لبِ بام ازانِ من
از بامِ خانہ تابہ ثریا ازانِ تو

۱۹۳۵ء میں جب قانونِ حکومتِ ہند نافذ کیا گیا تو مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو یقین دلایا گیا تھا کہ صوبائی گورنر ان کے حقوق و مفاد کا تحفظ کریں گے لیکن جب اس پر عمل کا وقت آیا تو مسلمانوں نے گورنروں کو کہیں موجود نہ پایا۔ اڑیسہ میں جہاں غیر مسلم ۹۷ فیصد اور مسلمان محض ۳ فیصد تھے گورنر نے اقلیتوں کو منجدھار میں چھوڑ دیا۔ مسلمان اس بات کے خواہش مند تھے کہ انھیں وزارت میں ان کا جائز حصہ ملے لیکن اڑیسہ کے وزیرِ اعلیٰ بسوا ناتھ داس نے کہا کہ نہیں ہم تمھارے مفاد کا خیال رکھیں گے۔ اس پر مسلمانوں نے اُڑیسہ کے گورنر سر جان ہبک (John Hubbock) کا دروازہ جا کھٹکھٹایا لیکن اس نے بھی کہا کہ جاؤ اور وزیرِ اعلیٰ کے آگے فریاد کرو۔ اس پر میں نے اسی اسمبلی میں ایک تحریکِ التوا پیش کی تھی جسے گورنر جنرل نے پیش کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اس پر میں نے ایک نظم لکھی تھی کہ:

اُڑتی سی خبر تار پر آئی ہے کٹک سے　　برطانیہ کے بنگلے کی چھت اُڑ گئی بھک سے
جس بم کے دھماکے سے یہ آفت ہوئی برپا　　لِم اس کی کوئی پوچھ لے سر جان ہبک سے
برطانیہ کا شیر اب اس حال کو پہنچا　　جنگل میں بپھرتا ہے تو بکری کی کمک سے
بھیجا ہے کٹک سے مجھے جو نامہ صنم نے　　دوں گا میں جواب اس کا لبِ رودِ اٹک سے

اس کا جواب دے دیا گیا یہ پاکستان اسکیم ہے جو نہی لفظ پاکستان آتا ہے ہمارے ہندو دوست غصے سے لال پیلے ہو جاتے ہیں لیکن اس پیچیدہ مسئلے کا ایک ہی حل ہے کہ "غیر ذمہ دار مرکز" کو ختم کر دیا جائے۔

میرا خیال یہ ہے کہ ہند کے آئینی مسائل کو شعر و شاعری کے ڈھانچے میں ڈھالنے کی یہ واحد مثال ہے[1]۔ یہ تو مولانا ظفر علی خان کی سیاسی زندگی کا ایک رُخ ہے جس پر کام کرنے کی بے حد گنجائش ہے لیکن اس سے بھی ایک بڑا میدان مولانا کی معاشی سوچ اور نقطۂ نظر ہے جس پر ابھی تک کسی کا دھیان نہیں گیا۔ مولانا ظفر علی خان مسلمانانِ ہند بالخصوص پنجاب کے مسلمانوں کی انتہائی ناگفتہ بہ معاشی حالت کو ایک نئی ڈگر پر ڈالنے کا اپنے ذہن میں کیا پروگرام رکھتے تھے، اس کو جاننے کے لیے مولانا کی تقاریر کے مطالعے کے بغیر کوئی اور صورت فی الحال سامنے نہیں ہے۔ مئی ۲۰۱۵ء میں راجہ اسد علی خان کی زیرِ نگرانی "آزاد" مولانا ظفر علی خان ٹرسٹ نے میری مرتب کردہ مولانا کی تقاریر کا ایک مجموعہ گفتارِ ظفر علی خان کے نام سے (۶۱۲ صفحات) شائع کیا تھا۔ یہ تقاریر دسمبر ۱۹۰۷ء سے ۱۹۴۵ء کے عرصہ پر محیط ہیں۔ میں نے ۲۱۰۵ء میں اس بات کی وضاحت کر دی تھی کہ "چونکہ زمیندار کی مکمل فائل دستیاب نہیں اس لیے تقاریر کا یہ مجموعہ نامکمل ہے، اگر کبھی زمیندار کے مزید فائل دستیاب ہو گئے تو شاید اتنا ہی ایک اور ضخیم مجموعہ تیار ہو سکتا ہے۔ اسی دوران راجہ اسد علی خان نے کسی صورت زمیندار کے تقریباً دو ہزار پرچے حاصل کر لیے۔ یہ پرچے اب "مقبوضہ" ٹرسٹ کی ایک لوہے کی الماری میں زندگی کے آخری سانس لے رہے ہیں۔ چناں چہ ان پرچوں سے استفادہ کرتے ہوئے میں نے مولانا ظفر علی خان کی تقاریر کا ایک اور مجموعہ مرتب کیا جو اب ٹریسنگ کی شکل میں ٹرسٹ میں گل سڑ رہا ہے۔

مولانا ظفر علی خان کی اسلامی بازار اسکیم پر ایک نظر ڈالنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ان کے اقتصادی نظریات کا جائزہ لیا جائے۔ مولانا کی تقاریر پر ایک گہری نظر ڈالنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ۱۹۰۷ء کے آخر میں انھوں نے حیدرآباد دکن میں اپنی پہلی تقریر کی جس میں خواتین اور پردہ کے حوالے سے گفتگو کی گئی تھی۔ ابتدائی دور میں ان کی تقاریر میں سلطنتِ عثمانیہ، ترکی اور تحریکِ خلافت ہی کا ذکر ملتا ہے، پھر ایک زمانے میں انھوں نے یہ کہا کہ "اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے گھر کی طرف دیکھیں اور اپنی اندرونی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں"، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انھوں نے اپنی توجہ کو مسلمانوں کی اقتصادی حالت کی بہتری کی طرف منعطف نہیں کیا۔ یہ حقیقت نہایت ہی قابلِ توجہ ہے کہ لاہور میں قائم انجمن اتحاد و ترقی جو کہ مسلمانوں کی اقتصادی ترقی کے لیے کوشاں تھی، نے ۱۹۱۲ء میں اندرونِ شہر کے محلہ سادھواں میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا جہاں مزدوری پیشہ اور دکان دار نہ صرف عام تعلیم بلکہ حساب کتاب (Accounting) اور اصولِ دکان داری

(Business Administration) کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ انجمن اتحاد و ترقی نے اسی محلے میں ایک شبینہ اسکول(Night School) بھی شروع کیا تھا۔ ۳ دسمبر ۱۹۱۲ء کو مولانا ظفر علی خان نے اس اسکول کا افتتاح کیا تھا[۲]۔

جیسا کہ سطورِ بالا میں یہ تحریر کیا گیا کہ مولانا ظفر علی خان دیگر معاملات کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کی ہمہ وقت کوشش کرتے رہے۔

۱۵ نومبر ۱۹۲۴ء کو مجلسِ خلافت لاہور نے مولانا ظفر علی خان کو ایک سپاس نامہ پیش کیا تھا جس کے جواب میں انھوں نے جو کچھ کہا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں مسلمانوں کی اقتصادی ترقی اور خوش حالی کا کس قدر خیال تھا۔ انھوں نے کہا:

> رہی یہ بات کہ مسلمان اقتصادی اعتبار سے مفلس ہیں، ان کے ہاتھ میں کوئی تجارت نہیں تو اس کے لیے مجلس خلافت، لاہور کے ہر محلے سے تین تین آدمیوں کے نام منتخب کرے گی۔ تمام شہر کے نمائندوں کی ایک فہرست مرتب ہو گی۔ ان نمائندوں کی مجلس اس بات پر غور کرے گی کہ مسلمان جس اقتصادی و تجارتی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں انھیں توڑنے کی کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔ میں آپ سے صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ جب مجلسِ خلافت کی طرف سے آپ کی خدمت میں خادمانِ ملّت پہنچیں تو آپ ان کی بات سنیں اور انھیں اس نظام کے قائم کرنے میں پوری مدد دیں جو آپ کی اقتصادی ترقی کا ضامن ہو گا[۳]۔

۱۹ نومبر ۱۹۲۴ء کو آپ نے حضرو میں مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس ضلع میں آپ کی تعداد ۹۹ فیصد ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ تجارت میں دوسری اقوام کے برابر ترقی کریں۔ آپ تجارت کریں اور اپنی مالی اصلاح کی کوشش کریں[۴]۔

دسمبر ۱۹۲۴ء میں پنجاب پراونشل خلافت کانفرنس میں اپنے طویل ترین خطبۂ صدارت میں انھوں نے فرمایا تھا کہ:

> دنیوی نظامِ کار کا ابتدائی حصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے ابتدائی تعلیم کا وسیع انتظام کیا جائے۔ مزدور جو دن بھر کسبِ معاش میں مصروف رہتے ہیں ان کے لیے مدارسِ شبینہ کا انتظام نہایت ضروری ہے۔ عام تعلیم کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو صنعت و حرفت کی طرف متوجہ کرنے کی بھی خاص ضرورت ہے۔

اس کے بعد **اقتصادی غلامی** سے رہائی کی تدبیر کا معاملہ ہے۔اس وقت مسلمان کروڑوں روپے کے قرض سے دبے ہوئے ہیں۔ ان کی ساری محنت اور کمائی سود میں صَرف ہو رہی ہے۔ اس مصیبت سے نجات کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً مسلمانوں کی غیر شرعی اور مسرفانہ رسوم کا ازالہ کیا جائے۔انھیں کفایت شعاری کا پابند بنایا جائے۔تجارت کی ترغیب دی جائے اور مشترکہ سرمائے سے اسلامی اسٹور بنائے جائیں۔ان کے ساتھ بینک بھی ہوں۔ لاہور امرتسر کے بڑے بڑے شہروں میں معاً اس قسم کے اسٹور قائم ہوسکتے ہیں [۵]۔

آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ بمبئی (۳۰دسمبر ۱۹۲۴ء) میں تقریر کرتے ہوئے مولانا ظفر علی خان نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان اتحاد کے معاملے پر گفتگو کرتے ہوئے کیا خوب صورت بات کہی جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کے نزدیک ہندو مسلم اتحاد کا "خواب" کس طرح ممکن العمل ہو سکتا تھا۔ انھوں نے کہا کہ:

> اتحاد ہمیشہ دو برابر کی طاقتوں کا ہوا کرتا ہے۔ آپ نے کبھی نہ سنا ہو گا کہ کسی بالشتیے کا اتحاد کسی گرانڈیل پہلوان کے ساتھ، کسی مخبوط الحواس شخص کا اتحاد کسی صحیح الانسان کے ساتھ، کسی جھونپڑے میں رہنے والے کا اتحاد کسی محلوں میں بسنے والوں کے ساتھ ہوا ہو۔ یہی حال آج ہندوؤں اور مسلمانوں کا ہے۔ مسلمانوں کو دولت میں، تعلیم میں، تجارت میں ہندوؤں کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔ اس حالت میں اگر اتحاد ہو گا تو وہ آقا و غلام کا رشتہ تو کہلا سکے گا مگر برابری کا اتحاد نہ ہو گا [۶]۔

یکم فروری ۱۹۲۵ء کو انجمن معین الاسلام کے زیرِ اہتمام موچی دروازہ میں میر مقبول محمود کے ساہو کارہ بل پر اپنی تقریر میں مولانا نے اپنی دعا میں کہا کہ:

> اے الٰہی مسلمانانِ پنجاب کو اس بات کی توفیق عطا فرما کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں اور تجارت، زراعت، صنعت و حرفت اور اقتصادیات میں اغیار کی غلامی سے آزاد ہو کر دین و عقبیٰ کی نعمتوں سے مالامال اور دوسروں پر موتی اور اشرفیاں نچھاور کرنے کے قابل ہو جائیں [۷]۔

۸ فروری ۱۹۲۵ء کو مجلسِ خلافت پنجاب کے زیرِ اہتمام دہلی دروازہ میں ایک جلسے کا انعقاد ہوا جس کی صدارت مولانا ظفر علی خان کو سونپی گئی تھی۔ اپنی صدارتی تقریر میں مولانا نے مسلمانان لاہور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

> لاہور کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ایک کروڑ روپے کے سرمایہ سے ایک بینک قائم کریں اور اپنی تجارت کو فروغ دیں اور اپنی دکانوں کو پُر رونق بنائیں۔ اس وقت مسلمان عام طور پر شیر فروشی، سبزی فروشی اور نان پزی کا کام کرتے ہیں۔ دوسرے بلند پایہ اور زیادہ منفعت بخش تجارتی کاروبار میں ان کا حصہ بہت ہی قلیل اور حوصلہ شکن ہے[۸]۔

۱۴ فروری ۱۹۲۵ء کو باغ بیرون دہلی دروازہ میں مسلمانانِ لاہور سے خطاب کرتے ہوئے مولانا نے ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کی اقتصادی زبوں حالی کا ذکر کیا اور بالخصوص بینکوں کے ساتھ کاروبار پر اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ آپ نے کہا تھا کہ:

حضراتِ علمائے کرام سے بینک کے کاروبار کے متعلق استفتا کیا جائے گا۔ ماہرینِ شریعتِ مصطفوی کے سامنے تمام مصلحتیں پیش کی جائیں گی۔ ترکی، ایران، مصر اور مراقش کے حالات بیان کیے جائیں گے، یورپ اور ایشیا کے تعلقات کی حیثیت واضح کی جائے گی، ہندوستان کے اقتصادی حالات پیش کیے جائیں گے۔ اس کے بعد حضراتِ علما جو کچھ حکم دیں گے اس پر عمل کیا جائے گا۔

۲۲ جولائی ۱۹۳۲ء کو مولانا نے گوجر خان میں عید میلاد النّبی کے ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے ایک مرتبہ پھر مسلمانوں پر تجارت کی اہمیت واضح کرتے ہوئے کہا کہ:

> ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو بھلا دیا، ہم صراطِ مستقیم سے بھٹک گئے، تجارت چھوڑ دی، مساوات کے اصول کو بھول گئے، اخوت کے نام سے نا آشنا ہوگئے۔ مسلمانو! اس نازک ترین دور میں جب کہ اقوامِ عالم نہایت تیزی سے معراجِ ترقی پر پہنچ رہی ہیں تم غفلت کی چادر اوڑھے سو رہے ہو۔
>
> آخر یہ زوال کیوں آیا سنو! اے محمدِ عربی ﷺ کے غلامو سنو! تم نے تجارت کو چھوڑ دیا اور غیر اس پر قابض ہوگئے۔ از برائے خدا سوچو کہ غیر اس قدر ترقی کیوں کر گئے۔ وہ راز کیا ہے کہ جس نے غیر اقوام کو معراجِ ترقی پر پہنچا دیا ہے اور تم اسے چھوڑ کر قعرِ مذلّت میں گر گئے ہو۔ وہ راز تجارت ہے۔ اگر آج آپ لوگ اس بات کا تہیہ کر لیں کہ ہم غیر اقوام کے دوش بدوش ہو کر تجارت کو فروغ دینے کی کوشش کریں گے، اپنی دکانیں کھولیں گے، اپنوں سے سودا خریدیں گے تو آج تم زر دار بن سکتے ہو اور فارغ البالی کی زندگی بسر کر سکتے ہو[۹]۔

۱۵ اگست ۱۹۳۲ء کو لائل پور میں ارکانِ بلدیہ کی ہندو اکثریت کی متعصبانہ روش کے خلاف ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے مسلمانانِ لائل پور کو تین لاکھ کے سرمایہ سے ایک اسلامی آڑھت کھولنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہندو تم کو ذلیل اور "کمّیں" صرف اس لیے تصور کرتا ہے کہ تم مفلس ہو، اگر تمہاری اقتصادی حالت درست ہو جائے تو یہ روز روز کے شکوے ختم ہو جائیں اور ہندو یا سکھ تمہارے حقوق غصب کرنے اور تمہیں نظر انداز کرنے کی جرأت نہ کریں۔ آپ نے مسلمانوں کو آڑھت کھولنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ:

> آڑھت کھولو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہندوؤں کا اقتصادی مقاطعہ کر دو، بلکہ بارہ آنے کا سودا مسلمان سے خرید و تو چار آنے کا ہندو اور سکھ سے بھی لو۔'

۶ مئی ۱۹۳۵ء کو شاہ آباد کے مسلم اسکول ہال میں ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کو ان کی زبوں حالی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے آپ نے کہا تھا کہ:

> دونوں قوموں کا اتحاد اس وقت تک قابلِ عمل نہیں ہو گا جب تک کہ دونوں قومیں ہر اعتبار سے مساوی نہ ہوں۔ آج مسلمان ہندو قوم سے اقتصادی اور تعلیمی حالت میں بہت پیچھے ہیں۔ تمام تجارت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے، ہندوؤں کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھ کر اپنے ہم دوش کریں۔ میں تمام مسلمانوں سے اپیل کروں گا کہ وہ سودا خریدتے وقت اس کا خیال رکھا کریں کہ اگر ان کو ایک روپیہ کا سودا خریدنا ہے تو اس میں سے بارہ آنے کا سودا مسلمان دکان دار سے خریدیں اور چار آنے کا ہندو سے۔

یہاں اس حقیقت کا تذکرہ ناگزیر ہے کہ مولانا ظفر علی خان کی اسلامی بازار تحریک سے قبل دو اصحاب کی طرف سے مسلمانوں میں تجارتی شعور پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی ان میں ایک بدرالدین قریشی (بار ایٹ لا) اور دوسرے خواجہ گل محمد (فیروز پور) کے اسما خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

بدرالدین قریشی نے مسلمانانِ پنجاب کی سماجی اور معاشی فلاح و بہبود کے لیے جو کارہائے نمایاں انجام دیے ان پر ابھی گمنامی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ مسلمانانِ پنجاب کو تجارت کا پیشہ اپنانے اور صوبہ بھر میں معاشی سرگرمیوں کے فروغ کے لیے انھوں نے پنجاب تجارتی کانفرنس کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا تھا، اس ادارے کا بنیادی مقصد مسلمانوں کو بذریعہ تحریر و تقریر صنعت و حرفت اور تجارت کی طرف متوجہ کرنا تھا۔ مسلم تجارتی کانفرنس کے ناظم ساتھ ہی ایک "مسلم کامرس کالج" کے قیام کے بھی متمنی تھے، تاکہ طلبہ اور روزگار کے متلاشی مسلمانوں کو کسب وہنر سکھایا جاسکے اور وہ اس کالج سے کوئی ہنر سیکھ کر کوئی تجارتی کام کر سکیں''۔

بدرالدین قریشی کے اس منصوبے سے چار سال قبل (۱۹۱۳ء) جب اسلامیہ کالج لاہور کو شاہدرہ منتقل کرنے کی تجویز منظرِ عام پر آئی تو فیروز پور کے ایک وکیل اور سیاسی کارکن خواجہ گل محمد نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک "کامرس کالج" کے اجرا پر بہت زور دیا تھا۔

خواجہ گل محمد نے لکھا تھا کہ میں چوں کہ کوئی ماہر تعلیم نہیں ہوں اس لیے مجھے نہیں معلوم کہ آیا انٹرنس کا امتحان پاس کرنے کے بعد کالجوں میں تجارتی مضامین کی تعلیم دی جاتی ہے یا نہیں کیوں کہ جو قوم تجارت کے ذریعے اس قدر بامِ عروج کو پہنچی ہو ان کے کالجوں میں یہ تعلیم ضرور دی جاتی ہو گی۔

خواجہ گل محمد نے کامرس کی تعلیم کے اجرا پر زور دیتے ہوئے لکھا تھا کہ:

> مسلمان چوں کہ تجارت کے میدان میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں اس لیے اگر وہ اس میدان میں آگے آنے کے خواہش مند ہیں تو پھر انھیں اپنی آنے والی نسلوں کو کامرس کی تعلیم دینا ناگزیر ہو گا۔
>
> انھوں نے متنبہ کیا کہ اگر آج ہی ہم نے مسلمانوں کو تجارت کی طرف مائل کرنے کی طرف کوئی قدم نہ اٹھایا تو مسلم قوم موجودہ بے سود تعلیم کو ایک لعنت تصور کرے گی[۱۲]۔

یہاں اس حقیقت کا پیش کیا جانا ضروری ہے کہ جو بات خواجہ گل محمد نے ۱۹۱۳ء میں کہی تھی اس وقت تک پنجاب یونی ورسٹی (قیام ۱۴ اکتوبر ۱۸۹۲ء) میں کامرس کی تعلیم کا کوئی شعبہ موجود نہیں تھا۔ خواجہ گل محمد کے مشورے کے ٹھیک چھے سال بعد پنجاب یونی ورسٹی نے ۱۹۱۹ء۔۱۹۲۰ء کے تعلیمی سیشن میں فیکلٹی آف کامرس (Faculty of Commerce) قائم کی تھی، جب کہ ۴ مارچ ۱۹۲۷ء کو سر گنگا رام کی کوٹھی "نابھ ہاؤس" میں پہلے کالج آف کامرس کا قیام عمل میں آیا تھا۔

مولانا ظفر علی خان نے مسلمانوں میں "تجارتی شعور" پیدا کرنے میں اپنے ذہن اور قلم کا بھرپور استعمال کیا۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ آج تک کوئی ایسی کوشش نہیں ہوئی کہ مسلم اخبارات کو یکجا کیا جائے، جو اپنے سینوں میں ملّی تاریخ کو سمیٹے ہوئے ہیں۔

اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ روزنامہ زمیندار کا ایک حصہ ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان میں، دوسرا حصہ لاہور میوزیم لائبریری اور تیسرا بڑا حصہ "مرحوم" ظفر علی خان ٹرسٹ غفرلہ میں لوہے کی ایک الماری میں اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہا ہے۔

۱۹۳۲ء اور ۱۹۳۳ء کے زمیندار مولانا کی ان سرگرمیوں سے بھرے پڑے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے اندر تجارتی اور معاشی شعور بیدار کرنے کے لیے کس قدر تگ و دو کر رہے تھے۔

اسلامی بازار تحریک کے سلسلے میں انجمن اتحاد و ترقی کا تفصیلی ذکر ناگزیر ہے۔۱۹۰۸ء کے اوائل میں لاہور میں ایک تنظیم انجمن اتحاد و ترقیِ مسلمانانِ پنجاب قائم کی گئی تھی جس کا بنیادی مقصد پنجاب کے مسلمانوں کی تجارتی ترقی کے متعلق سود مند تجاویز پر غور و خوض کرنا اور ان پر عمل در آمد کی سعی کرنا تھا۔

مولانا ظفر علی خان ابتدا ہی سے اس انجمن کی سرگرمیوں میں بھرپور حصّہ لیتے رہے۔آپ نے ۲۰ مئی ۱۹۱۱ء کو شیخ عمر بخش (پلیڈر) کی زیرِ صدارت ایک جلسے میں مسلمان پارچہ بافوں کا ایک گلڈ (Guild) قائم کرنے کی تجویز پیش کی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ یہ کام انجمن کو اپنے ذمے لینا چاہیے۔

غالباً اگست ۱۹۳۲ء کے پہلے ہفتے میں لاہور میں قائم شدہ کئی ایک چھوٹی چھوٹی تنظیموں (ینگ مین مسلم ایسوسی ایشن اور جمعیت الصلٰواۃ) کو انجمن اتحاد و ترقیِ مسلمانانِ پنجاب میں ضم کر کے اسے انجمن اتحاد و ترقیِ مسلمانانِ لاہور کا نام دیا گیا۔اس انجمن کے صدر فیروزالدین نے ۱۱ اگست ۱۹۳۲ء کو اس کا ایک دستور العمل شائع کیا تھا۔

۱۔ جدید دستور العمل کے تحت انجمن کا صدر مقام لاہور اور فی الحال اس کا دائرہِ عمل پنجاب تک محدود ہوگا۔

۲۔ انجمن پنجاب کے تمام اضلاع میں اپنی شاخیں قائم کرے گی۔

۳۔ انجمن کا بنیادی مقصد مسلمانوں میں تجارتی شوق پیدا کرنا‘مسلمانوں کی تجارت کو بامِ عروج پر پہنچانا‘اس کے تحفظ کے وسائل اختیار کرنا اور مسلمانوں کو بے کاری سے نجات دلانے کی کوشش کرنا تھا۔

۴۔ ان خلافِ شرع رسومات کے انسداد کی کوشش کرنا جو مسلمانوں میں عام افلاس کا سبب بن رہی تھیں۔

۵۔ انجمن مسلمانوں کے حقوقِ ملی و وطنی اور سیاسی کی حفاظت کرے گی اور بہ وقتِ ضرورت ہر قسم کی قربانی اپنا فرض سمجھے گی۔

۶۔ انجمن اوقافِ اسلامیہ کی کماحقّہٗ حفاظت و اصلاح کی کوشش اور جمہورِ اسلام کو وقف علی الاولاد کی ترغیب دے گی۔

۷۔ انجمن ایک بیت المال کے قیام کا انتظام کرے گی

۸۔ زکواۃ کی باقاعدہ وصولی اور اسے بیت المال میں داخل کرنا انجمن کا ایک اہم فرض ہوگا۔

۹۔ انجمن ہندوستان اور مسلمانوں کو سود کی لعنت سے پاک کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گی۔

۱۰۔ جمہورِ اسلام کو قرض کی گراں باری سے چھڑانے کی کوشش کرنا بھی انجمن کے فرائض میں شامل ہوگا۔

۱۱۔ انجمن آزادیِ ملک کے لیے ہر ممکن کوشش کرے گی نیز آزادی کے لیے کوشاں ہر جماعت سے تعاون کرے گی۔

۱۲۔ انجمن ملکی مصنوعات کے استعمال کی تبلیغ کرے گی۔

۱۳۔ ہر ایک بالغ مسلمان بارہ آنے سالانہ چندہ ادا کر کے انجمن کا رکن بن سکے گا۔

انجمن کے معاملات کو خوش اسلوبی کے ساتھ چلانے کے لیے "مجلسِ شوریٰ" اور "مجلسِ عاملہ" کے نام سے دو مجالس قائم کی گئی تھیں۔

## مجلسِ شوریٰ

انجمن کے تمام معاملات ۵۷ ارکان پر مشتمل مجلسِ شوریٰ کی مشاورت سے انجام پائیں گے۔ اس مجلس کا کورم کل تعداد کا ایک ثلث اور اس کا کم از کم اجلاس ہر ماہ بعد بلایا جانا لازمی تھا۔ لیکن بہ وقتِ ضرورت صدر کے ایما پر مجلسِ شوریٰ کا اجلاس کسی بھی وقت بلایا جا سکتا ہے جس کے لیے سیکریٹری کو تین دن کا نوٹس دینا ضروری تھا۔ مجلسِ شوریٰ کو قواعد وضوابط وضع کرنے اور صدر، نائب صدر، سیکرٹری، جنرل سیکرٹری، پروپیگنڈا سیکرٹری، سیکرٹری انچارج صدر دفتر، کمانڈر والنٹیئر کور اور محاسب (آڈیٹر) کو ایک سال کے لیے منتخب کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ انجمن کے پاس کردہ تمام رزولیوشن مجلسِ شوریٰ میں زیرِ بحث لا کر منظور کیے جاتے تھے۔ مجلسِ شوریٰ تمام اخراجات کی منظوری دینے کی مجاز تھی۔

## مجلسِ عاملہ

انجمن کے مقاصد کے ساتھ دلچسپی رکھنے والا ہر مسلمان مجلسِ عاملہ کا رکن بن سکتا ہے۔ مجلسِ عاملہ کو مجلسِ شوریٰ کو لاہور سے لیے جانے والے نصف ممبروں کو منتخب کرنے کا اختیار حاصل تھا۔

انجمن اتحاد وترقی کے دستور العمل پر ایک نظر ڈالنے سے جو چند دلچسپ حقائق نظر آتے ہیں ان کے مطابق انجمن کا دائرہ کار صرف معاشی معاملات تک محدود نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کی سیاسی فلاح و بہبود بھی اس کے پیشِ نظر تھی۔ محاسب (Auditor) کا تقرر اس دور کی سیاسی و غیر سیاسی جماعتوں کی سوچ کا مظہر ہے۔ والنٹیئر کور کے کمانڈر کا تقرر ایک بالکل نئی چیز ہے۔

مولانا ظفر علی خان نے اپنی اقتصادی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انجمن اتحاد وترقیِ اسلام کے پلیٹ فارم کا بھرپور استعمال کیا اور اس ضمن میں پنجاب کے مختلف اضلاع کے دورے کیے۔ مولانا کے ان دوروں کی تفصیل تک

رسائی حاصل نہیں تاہم ۷ دسمبر ۱۹۳۲ء کو آپ کے دورۂ گجرات کا ذکر روزنامہ زمیندار کے ایک شمارے سے دستیاب ہو سکا ہے۔

مولانا ظفر علی خان نے اپنی گجرات آمد کے بعد ایک گھنٹے تک یہاں کے معزز اور مقتدر اصحاب سے تبادلۂ خیالات کیا تھا۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت کے درست ہونے تک ان کا دوسری اقوام سے ہم سری کرنا ممکن نہیں ہو گا۔ آپ نے اس امر پر اظہارِ افسوس کیا کہ مسلمان نہ صرف اپنے آبائی پیشہ تجارت کو خیر باد کہہ چکا ہے بلکہ خدائی احکامات تک کو بھلا بیٹھا ہے۔ وہ صرف ''خریدار'' ہے اور اس گاڑھی کمائی دوسروں جیبوں میں جارہی ہے۔ مولانا نے مسلمانوں کو اپنے آبائی پیشہ کو دوبارہ سنبھال لینے کا مشورہ دیا۔

چناں چہ مولانا ظفر علی خان کی سرپرستی میں گجرات میں انجمن ترقی و اتحاد کا قیام عمل میں آیا جس کے عہدے داروں میں مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری (صدر) شیخ عبدالمالک 'مدیر صداقت گجرات (نائب صدر) حکیم عارف مدیر سنیاسی (معتمد) قمر الدین تاجر (نائب معتمد) اور شیخ عبدالحمید' رکن بلدیہ گجرات (امین) شامل تھے [۳۱]۔

۳۰ اگست ۱۹۳۲ء کو روزنامہ زمیندار میں واحل اللہ بیع وحرم الرلوا کے عنوان سے ایک افتتاحیہ سپردِ قلم کیا تھا جس کا ہند بھر کے مسلمانوں نے خیر مقدم کیا تھا۔ سری نگر سے محمد لطیف نے اسلامی بازار کے متعلق مولانا کے مشورے کو ''بہترین اور بیش قیمت مشورہ'' قرار دیا تھا۔ انھوں نے لکھا تھا کہ میرے خیال میں یہ تجویز مسلمانوں کی اقتصادی زندگی کی روح ہے۔ تاریخ اسلام اس امر پر شاہد ہے کہ اسلام کو سب سے پہلے تجارتی مہمات کا مقابلہ کرنا پڑا اور انھوں نے حیرت انگیز کامیابی حاصل کی۔ محمد لطیف نے مسلمانانِ پنجاب اور دیگر صوبہ جات کے مسلمانوں سے بالعموم اور کشمیری مسلمانوں سے بالخصوص مولانا کے معقول اور مفید مشورے پر عمل کرنے کو کہا تھا۔

انجمن مجاہدینِ اسلام لاہور کے صدر محمد اشرف خاں عطا اور مجلسِ احرار لاہور کے رکن محمد یونس فاتح نے مولانا کی اس تجویز کو ''مسلمانوں کی مشکلات کا بہترین حل'' قرار دیا تھا۔ مولانا ظفر علی خان کی اسلامی بازار تحریک کا نہ صرف پنجاب بلکہ بیرونِ پنجاب میں بھی زبردست خیر مقدم کیا گیا تھا۔

مولانا ظفر علی خان کے ایک دیرینہ ساتھی مولانا سید محفوظ علی بدایونی نے اس تجویز کا خیر مقدم کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

تمہاری اسلامی بازار والی تجویز بہترین ہے، خدا کے لیے اس میں اپنی جان لڑا دو اور اسے کامیاب کر کے رہو۔ یہی ایک چیز ہے جو مسلمانوں کے لیے اسوۂ حسنہ اور باعثِ فوز و فلاح ہے، اللہ تم کو جزائے خیر دے۔

امروہہ سے حکیم سید احمد رضوی نے مولانا کو لکھا تھا کہ:

مسلمانوں کی اقتصادی زبوں حالی ایک ایسی حقیقت ہے جس کے اظہار کی چنداں ضرورت نہیں، اس سلسلے میں آپ کی اسلامی بازار کی تجویز نہایت ہی مبارک اور مستحسن تجویز ہے، خدا کرے جلد عملی صورت اختیار کرے۔ لیڈر کہنے کو تو بہت ہیں لیکن کام کرنے والے اور قوم کی سود و بہبود کی تجویز سوچنے والے بہت کم بلکہ معدوم ہیں۔ یوپی کے صدہا مسلمان زمیندار برباد ہو گئے اور ہو رہے ہیں۔ ان کی جائیدادیں قرضہ اور سود در سود کے پھیر میں سود خور قوم کا لقمۂ تر ہوتی چلی جا رہی ہیں، کوئی نہیں جو اس طرف توجہ کرے۔ حکومت اپنی سرد مہری اور بے توجہی سے ان کی وفاداری اور کاسہ لیسی کا پہلے ہی انعام دے چکی ہے۔ اگر ایک طرف مالیے کا تقاضا ہے تو دوسری طرف بنیوں کے تقاضوں اور ڈگریوں نے زندگی حرام کر رکھی ہے۔ اللہ ہی ہے جو اپنا فضل کرے، کیا میں امید کروں کہ آپ اس دردناک والم انگیز حالت کا معائنہ فرما کر کوئی ایسی تجویز فرمائیں گے جس سے کم از کم عنقریب معدوم ہو جانے والی ہستیوں کا تحفظ ہو سکے۔

کولوٹولہ کلکتہ سے حکیم محمد عبد اللہ نے اسلامی بازار کی تجویز کا خیر مقدم کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

جو تجویز اسلامی بازار کے بارے میں آپ کے معزز جریدہ نے لوگوں کے سامنے پیش کی ہے وہ اسلامی مفاد کے لیے نہایت ہی موثر اور کامیاب ہو گی۔ میں تو اس کو نہایت ہی نیک اور مبارک تصور کرتا ہوں۔ خدا کرے کہ یہ تجویز جلد عملی صورت اختیار کرے۔ آج کل کئی مہذّب قوموں کی ترقی کا انحصار بڑے بڑے قومی بازاروں سے وابستہ ہے۔

تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ہر طرح اور ہر طریقے سے مولانا ممدوح کے ارشادات پر عملی قدم رکھتے ہوئے آزادی اور حرّیت کے میدان پر گامزن ہوں، کامیابی اسی میں ہو گی۔

بازار نئی سڑک کوچہ خان چند دہلی سے ایم شفیع احمد (علیگ) نے مولانا ظفر علی خان کی اسلامی بازار کی تجویز کا خیر مقدم کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

ہر وہ مسلمان جو اس وقت سیاستِ ہند کا بغور مطالعہ کر رہا ہے خوب جانتا ہے کہ مولانا ممدوح کی یہ تجویز کتنی اہم اور ضروری ہے۔ اس ناگفتہ بہ اور پُر آشوب زمانے میں مسلمانوں کو جس مفلسی اور معاشی بے چارگی کا سامنا ہے ظفر الملّت کی یہ تجویز مذہب، سیاست اور معاشرت ہر طور سے قابلِ عمل فعل ہے، اس تجویز پر جتنی بھی سرعت کے ساتھ مسلمانانِ ہند عمل درآمد کریں اتنا ہی بہتر اور نافع ہے"۔ شفیع احمد کے نزدیک "مقتضائے وقت یہی ہے کہ مسلمان اسلامی بازار کی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کمربستہ ہو جائیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہندوستان غلامی کی فضا سے نکل کر آزادی کی فضا میں سانس لے تو ہمارا فرض ہے کہ اپنی اقتصادی حالت کو درست کریں۔

لاہور کو رنگین پرنٹنگ سے روشناس کروانے والے شیخ قمر الدین نے اسلامی بازار تحریک کے بارے میں لکھا تھا کہ:

مولانا ظفر علی خان نے اسلامی بازار کے قیام کی تجویز پیش کر کے اور مسلمانوں کو تجارت کی رغبت دلا کر وقت کی سب سے اہم ضرورت کو محسوس کر لیا ہے۔ مسلمان تجارت کی دوڑ میں اور قوموں سے پھسڈی رہ جاتے ہیں، وہ تجارت کرنا اس طرح بھول گئے گویا انھوں نے یہ میدان دیکھا ہی نہیں تھا۔ حالاں کہ تجارت سنّت ہے۔ اقتصادی لحاظ سے تجارت ایک ایسی چیز ہے جس سے قوم دنیا میں عزت و آبرو کی زندگی بسر کر سکتی ہے۔ میں پنجاب کے تاجروں سے عموماً اور لاہور کے تاجروں سے خصوصاً اپیل کرتا ہوں کہ وہ مولانا ظفر علی خان کی مجوزہ اسلامی بازار کی اسکیم کو کامیاب بنانے کے لیے اپنی تجربہ کاری اور دماغی صلاحیت سے کامیاب بنانے کی جلد از جلد کوشش کریں۔ اس وقت سب سے بڑی قومی خدمت یہ ہی ہے کیوں کہ مسلمانوں کی اقتصادی مشکلات کا موجودہ صورت میں یہ بہترین حل ہے۔ میں اپنی خدمات مولانا ممدوح کی خدمت میں پیش کرتا ہوں"۔

مشہور دینی اور سیاسی رہنما مولانا محمد اسحاق مانسہروی نے مولانا ظفر علی خان کی اس اسکیم کو "آخری اور بہترین تجویز" قرار دیا تھا۔

پنجاب لیجیسلٹیو کونسل کے رکن سردار حبیب اللہ نے اسلامی بازار تحریک کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ مولانا ظفر علی خان نے اسلامی بازار کی جو تحریک پیش کی ہے وہ قابلِ تحسین و مبارک ہے۔ میرا تو یقین ہے کہ جب تک مسلمانانِ ہند اپنی اقتصادی و تجارتی حالت درست نہیں کریں گے کبھی ترقی کے میدان میں آگے نہیں آسکتے۔

مولانا محمد عبد الحامد بدایونی نے اپنے ایک مضمون زیرِ عنوان تجارت اور مسلمان: حضرت مولانا ظفر علی خان کی مساعیِ مبارک میں آپ کو نہایت شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا تھا۔ مولانا بدایونی نے لکھا تھا کہ

> مسلمانانِ ہند کی اقتصادی و تجارتی کمزوریوں کا ماتم آئے دن ہماری محافل و مجالس، پلیٹ فارموں اور اخبارات و جرائد کے صفحات سے اتنا عام ہو چکا ہے اب اس ماتم کا قطعاً وزن جاتا رہا ہے۔ زمانہ روز بروز سبق دے رہا ہے، واقعات و شواہد ندا دے رہے ہیں کہ آج کل وہی تحریکات کامیاب ہو سکتی ہیں جن کے لیے وقت کے ہر لمحے، فرصت کے اوقات عملی مظاہروں کے لیے متحرک ہوں و گرنہ محض قرطاس کی زینت سے قطعاً کوئی کام نہیں چل سکتا۔

مولانا بدایونی نے "فدائے ملت" مولانا ظفر علی خان کی اس تحریک کو مسلمانوں کے مرض کا صحیح علاج قرار دیا جنھوں نے تحریکِ تجارت کے لیے عمیق و مستحکم جدوجہد کا آغاز فرمایا۔ انھوں نے اس تحریک کو دوسرے صوبوں کے لیے "قابلِ تقلید مثال" قرار دیا۔ مولانا نے اپنے اس یقینِ محکم کا اظہار کیا کہ "اگر ہمارے زعما اپنی اپنی جگہ پوری قوت سے کام کریں تو مسلمانانِ ہند کا تجارتی ماحول بہت جلد سنبھل سکتا ہے"۔

مولانا نے اس "سوچ" کو فاسد اور مکروہ ذہنیت کا نام دیا اور سختی سے اس بات کی تردید کی کہ اسلامی بازار کی تحریک ہندوؤں کے مقابلے کے لیے ہے۔ کیوں کہ بلاشبہ ہر قوم کو اس کی پوری آزادی ہے کہ وہ اپنی سقیم حالت کو درست کرے اور تجارت وصنعت و حرفت کے میدان میں متحرک ہو کر زندہ اقوام میں شامل ہو سکے۔

مولانا عبد الحامد نے اس تلخ حقیقت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے یہ لکھا کہ: "ہمارے تمام کام سرمایہ کے فقدان سے مضمحل ہیں، اس لیے جب تک تحریکِ تجارت کو فروغ نہ دیا جائے گا ہماری تحریکات سر د رہیں گی"۔

مولانا نے اس موقع پر تحریکِ اسلامی بازار کے زعما کی توجہ ایک نہایت مفید کام کی طرف منعطف کرائی کہ اگر وہ ان مسلمان صنّاعوں اور حرفت پیشہ افراد کی دستگیری اور مدد کریں جو ہندوستان کے ہر گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں تو دنیا آج حیرت زدہ ہو جائے گی اور اسے اعتراف کرنا پڑے گا کہ مسلمانوں کے دماغ، بحالتِ موجودہ دوسری اقوام سے کہیں بہتر و برتر ہیں"۔

اس موقع پر مولانا بدایونی نے "مولانا ظفر الملّت" کو مشورتاً یہ کہا کہ "وہ اس تحریک کے لیے خاص طور پر تجّار کی ایک ایسی جماعت بنائیں جس کا تجارتی تجربہ مسلّم ہو اور اس جماعت کے مشورے کے مطابق عام و خاص مسلمانوں کے سامنے تجارتی پروگرام اور اس کے آسان طریقے زمیندار کی وساطت سے پیش کیے جائیں"[۴۱]۔

اس دور میں لاہور کی تمام اہم تنظیموں کے عہدیداروں نے مولانا ظفر علی خان کی تجویز کا خیر مقدم کیا تھا، ان میں ریاست بھوپال کی اسٹیٹ لیبارٹری کے سوپ فیکٹری کے انچارج محمد عثمان علوی کا مراسلہ خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ عثمان علوی نے ۳ستمبر ۱۹۳۲ء کو لکھا تھا کہ:

مجھے بحیثیت ایک مسلم کاریگر کے آپ کی تجویز سے غایت درجہ دلچسپی ہے اور اس نیک ساعت کا نہایت بے تابی سے انتظار ہے جب کہ اس تجویز کو قوت سے فعل میں لانے کا مبارک اقدام کیا جائے۔

اس کاروبار کے متعلق میں بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اسلامی بازار میں جس قدر اشیا فروخت ہوں گی حتی الامکان ہندوستان کی بنی ہوئی ہوں گی لیکن روز مرہ کے استعمال کی دیسی چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ ولایتی جیسا کام نہیں دیتیں۔ اگر اسلامی بازار کی زیرِ نگرانی کوئی کارخانہ ابتداً تھوڑے سرمائے سے قائم کیا جائے جس میں بعض چیزیں بعینہ مثل ولایتی کے مگر ارزاں تیار ہوسکیں تو بہت مناسب ہوگا۔ عملاً کامیاب ثابت ہونے پر اس کارخانہ سے نہایت مفید کام صنعتی تعلیم کا لیا جائے تاکہ ہمارے نوجوان سائنس دان عملی تعلیم حاصل کر کے دیگر حصصِ ملک میں کامیابی کے ساتھ کارخانے قائم کرسکیں۔

میں ایک ان پڑھ صرف میٹرک پاس کاری گر ہوں مگر خدا کے فضل سے مجھے مندرجہ ذیل اشیا بنانی آتی ہیں جو ہر طرح کی جانچ پڑتال کے بعد تمام صفات میں ولایتی کے برابر ثابت ہو چکی ہیں۔ (۱) صابن (مثلاً سن لائٹ سوپ) (۲) روشنائیاں ہر قسم کی بوٹ پالش و بوٹ کریم (۳) لاکھ بتی بالکل پختہ رنگائی ریشم، اون اور سوت پر۔ یہ کام میں نے ایک جرمن ماہر سے بمبئی میں سیکھے ہیں۔

میں فی الحال ریاست کا ملازم ہوں اور اسٹیٹ لیبارٹری رنگریز کیمسٹ کی زیرِ نگرانی جو ان چیزوں کا بنانا نہیں جانتا تجارتی پیمانے پر یہ سب کام کر رہا ہوں مگر سرمایہ ناکافی ہے اس لیے ترقی کی کوئی امید نہیں تاہم کارخانے کے مصارف نکل آتے ہیں۔

قبل ازیں اسی لیبارٹری میں میں ایک اینگلو جرمن کیمسٹ کا اسسٹنٹ تھا اور اس کو دو سو روپیہ تنخواہ ملتی تھی۔

ایک عرصے سے میری دلی خواہش ہے کہ کہیں کوئی اسلامی صنعتی انسٹی ٹیوٹ یا قومی کاروبار قائم ہو تو اپنی ناچیز خدمات پیش کرسکوں تاکہ اپنے حاصل کردہ ہنر کو اپنے مسلم بھائیوں کو سکھاتا رہوں اور اپنے متعلقین کی بسر اوقات بھی ہوتی رہے۔

آخر میں عثمان علوی نے یہ پیش کش بھی کی کہ اگر کسی کارخانے کے قیام کی امید ہو اور اس کے مفصل حالات معلوم کرنے کی ضرورت ہو تو بجائے خط و کتابت کے میں اپنے مصارف سے حاضرِ خدمت ہوسکتا ہوں۔

اس دور میں لاہور کی تمام اہم تنظیموں کے متعدد عہدیداروں نے مولانا ظفر علی خان کی تجویز کا خیر مقدم کیا تھا۔ ان میں (۱)عبدالسبحان، صدر انجمن جمعیۃ الغربا، مزنگ لاہور (۲)حافظ محمد ابراہیم، مجلسِ تحفظ ناموسِ شریعت، مزنگ لاہور (۳)قلم کار بابو فیروز الدین اسٹام فروش صدر انجمنِ اسلامیہ مزنگ (۴)چودھری حسن دین، سابق صدر مجلسِ احرارِ اسلام، مزنگ لاہور (۵) شیخ فضل محمد، صدر انجمن خدام الخلق (۶)غلام حیدر، انجمن اتحاد الملّت (۷)شیعہ ایسوسی ایشن، لاہور (۸)جمعیت الاسلام لاہور (۹)انجمنِ اسلامیہ باغبانپورہ (۱۰)شیعہ ینگ مین ایسوسی ایشن (۱۱)سیالکوٹ کمیٹی، لاہور (۱۲)انجمن انصار الملّت، لاہور (۱۳)انجمن اصلاح المسلمین، لاہور اور (۱۴)پراونشل مسلم اسکاؤٹس ایسوسی ایشن شامل تھیں۔

مسلمانوں میں "تجارتی شعور" بیدار کرنے کے لیے جلسوں کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۲ء کو ایک جلسے کے انعقاد کا پتا چلتا ہے جو بعد نمازِ مغرب باغ بیرون موچی دروازہ منعقد ہونا تھا اور اس جلسے سے مولانا احمد علی صدر جمعیۃ العلما پنجاب، مولانا محمد علی رئیس لکّھو کے (صدر، انجمن اتحاد و ترقی اسلام پنجاب، لاہور)، شمس الدین حسن مدیر خاور، مفتی عبدالقادر، ملک لال دین قیصر، حکیم منشی محمد منظور حسین، خواجہ غلام حسین (بی اے، ایل ایل بی) پلیڈر، مولانا حکیم عبدالحمید، ملک محمد عمر، ڈاکٹر فیروزالدین، فخر قوم استاد گام (نظم) قاضی محمد دلیر صاحب زبیر نیاز بیگی، میاں منظور محمود اور غازی محمد اسلم چشتی نے خطاب کرنا تھا۔

بد قسمتی سے اس جلسے کی روداد دستیاب نہیں ہو سکی تاہم اسلامی بازار کے سلسلے میں ۷ دسمبر ۱۹۳۲ء کو برکت علی محمڈن ہال میں منعقدہ ایک جلسے کی تفصیل مل سکی ہے۔ اس جلسے میں حاضرین کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی۔ اس جلسے میں شمس الدین حسن، مولانا عبدالحنان، شیخ نیاز علی، مولانا ابراہیم، ڈاکٹر فیروزالدین، شیخ محبوب الٰہی (ایڈوکیٹ) اور ملک نور محمد نے خطاب کیا تھا۔

اسلامی بازار تحریک کے بانی اور محرک مولانا ظفر علی خان نے اپنی تقریر میں برطانوی وزیرِ اعظم ریمزے میکڈونلڈ کا شکریہ ادا کیا جس نے مسلمانوں کو کمیونل ایوارڈ (Communal Award) دے کر ان پر بڑا احسان کیا کہ مسلمانانِ پنجاب نے اپنی اقتصادی کمزوریوں کو محسوس کیا اور اس اسلامی بازار کی تحریک پیدا ہوئی۔ مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک ہندوستان میں اپنی شوکت و عظمت کا پرچم لہرایا مگر افسوس کہ حکومت ختم ہونے کے بعد افلاس و غربت کے ہولناک مناظر دیکھنے میں آئے۔ بہار، اڑیسہ، صوبہ جاتِ متحدہ، آگرہ، اودھ اور بنگال غرض یہ کہ آپ جس خطہ میں جائیں گے آپ کو مسلمانوں کا افلاس نظر آئے گا۔ روٹی کا سوال ایک اہم سوال ہے، جس کا حل کمیٹیوں، اسمبلی اور کونسلوں کی ممبریوں میں نہیں ہے بلکہ تجارت میں مضمر ہے۔ مسلمان کو تو تیرہ سو سال قبل یہ

سبق دیا گیا تھا کہ وہ تجارت کو بیش قیمت سمجھ کر دل و جان سے اس کی حفاظت کرے، لیکن آہ مسلمان نے جہاں سب کچھ کھو دیا وہاں تجارت سے بھی غافل ہو گیا۔ حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے خود تاجر تھے، تمام صحابہ کرام تجارت کرتے تھے، تجارت کے لیے سورۃ جمعہ میں احکام خداوندی موجود ہیں۔

تجارت مسلمانوں کی گود میں کھیلتی رہی مگر اب اس پر اغیار قابض ہیں۔ اب اگر ہم کو ہندوستان میں دوبارہ زندہ ہونا ہے تو پچھلی کوتاہیوں کی جلد سے جلد تلافی کریں، مسلمان تاجر بھی اپنے افلاس کے سبب دوسروں کے دست نگر ہیں۔ اگر آج ان کو مال خریدنے کی ضرورت پڑے تو ہندو تھوک فروش سے خریدیں گے اس طرح نفع تو وہاں دے آتے ہیں اور جب خود فروخت کرتے ہیں تو منافع کی امید کم ہوتی ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ مسلمان دکان دار سے خریدے اگر یہ نہیں تو کم از کم روپیہ میں بارہ آنے تو مسلمان سے خریدے۔ اسلام اور بھوک، اسلام اور افلاس اور اسلام اور جہالت ایک جامہ میں نہیں رہ سکتے۔ پس اسلامی بازار کی غرض و غایت یہ ہے کہ ایک مسلم چیمبر آف کامرس نہ صرف پنجاب میں بلکہ تمام ہندوستان میں قائم کیا جائے۔

اس دَور میں روزنامہ انقلاب، سیاست اور زمیندار کے درمیان سیاسی مسائل پر ٹھنی ہوئی تھی لیکن مولانا نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے کہا کہ سیاسی اختلافات کے باوجود ہم سب اس اسٹیج پر اکٹھے ہو سکتے ہیں اور میں انھیں گلے لگانے کے لیے تیار ہوں۔ اس معاملہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ مولانا ظفر علی خان نے اس امر پر خوشی کا اظہار کیا کہ اسلامی بازار کے اعلانات روزنامہ *انقلاب* میں شائع ہو رہے ہیں۔ میں مولانا مہر و سالک کا از حد ممنون ہوں۔

اس موقع پر مولانا نے اعلان کیا کہ دسمبر کے آخری ہفتے میں لاہور میں اسلامی بازار کی نمائش ہو گی جس میں نہ صرف پنجاب بلکہ ہندوستان بھر کے مسلمان تجّار، کاری گر اور صنّاع شامل ہوں گے۔ نیز آل انڈیا تاجر کانفرنس کا اجلاس بھی ہو گا۔ مولانا نے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ اس تحریک میں دامے، درمے، قدمے، سخنے حصہ لیں اور بطور والنٹیئر بھرتی ہوں تاکہ ہر گلی کوچے میں اس تحریک کا چرچا ہو۔

بعد ازاں مولانا نے سامعین سے باقاعدہ پکے نمازی بننے، مسلمانوں سے سودا خریدنے اور سچ بولنے کا حلف لیا۔ اس موقع پر آپ نے ایک سو روپیہ بطور امداد دینے کا اعلان کیا جب کہ ملک نور احمد رئیس التجّار (مالک لائٹ ہاؤس مال روڈ) نے بھی ایک سو روپیہ دینے کا اعلان کیا تھا۔

مولانا عبد الحنان نے اپنی تقریر میں تجارت کی خوبیاں اور احکام خداوندی واحادیث کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ حضورِ اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ نو حصّہ رزق تجارت سے حاصل ہو سکتا ہے، باقی ایک حصّہ دوسرے کاموں سے۔ مولانا نے اپنی تقریر میں مسلم بینک اور دیگر اسلامی بینکوں کی امداد کرنے کو بھی کہا۔

شمس الدین حسن نے اسلامی بازار اسکیم کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اسلامی بازار کی نمائش ۲۴ دسمبر ۱۹۳۲ء سے شروع ہو کر ۲ جنوری ۱۹۳۳ء تک جاری رہے گی۔ آپ نے والنٹیئروں کی بھرتی پر زور دیتے ہوئے کہا کہ کم از کم دس ہزار والنٹیئر بھرتی ہونے چاہئیں تاکہ اسلامی بازار کا پیغام گھر گھر پہنچ سکے۔

شیخ نیاز علی ایڈوکیٹ نے کہا کہ دنیا کا ہر کام روپے سے ہوتا ہے اور روپیہ تجارت کرنے سے ملتا ہے"[۱۵]۔

اسلامی بازار کی مجلس منتظمہ کے مشترکہ سیکرٹری ڈاکٹر فیروزالدین نے اس اہم قومی منصوبے کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ یہاں ان کی اس "سوچ" کی طرف توجہ دلانا انتہائی ضروری ہے کہ ان کی رائے میں مسلم خواتین کی شمولیت کے بغیر اس اسکیم کی کامیابی ناممکن تھی، ان کا کہنا تھا کہ مسلمان مردوں کے ساتھ ساتھ مسلم خواتین کی بیداری بھی از بس ضروری تھی۔ ڈاکٹر فیروز الدین کی رائے میں "مسلمان خواتین کو چاہیے کہ وہ ضروریات کی خرید و فروخت کا کام مردوں کے سپرد کر دیں اور اگر خود ہی بازار جانے پر مُصر ہوں تو سودا صرف مسلمان دکان داروں سے ہی خریدیں۔

انھوں نے روزنامہ زمیندار میں شائع شدہ "دانا دشمن امرتسری" کے مضامین کا حوالہ دیا کہ جنہوں نے مسلمان خواتین کی "بے حسی، جہالت اور فضول خرچی" وغیرہ کا طعنہ دیتے ہوئے لکھا تھا کہ "ایک وقت تھا کہ مسلم خواتین میدانِ کارزار میں جاکر مردوں کے شانہ بشانہ مصروفِ سعی ہوتی تھیں لیکن آج وہ اغیار کے لیے ہدفِ مطاعن بنی ہوئی ہیں"۔

ڈاکٹر فیروزالدین کی رائے میں اگر مسلم خواتین اب بھی بیدار ہو جائیں اور ہندو خواتین کی طرح میدانِ عمل میں گامزن ہوں تو ہماری قومی مصیبتیں دور ہو سکتی ہیں۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ جہاں مسلمانانِ ہند نے مولانا ظفر علی خان کی اسلامی بازار کی تجویز کا مضامین اور خطوط کی شکل میں زبردست خیر مقدم کیا تھا وہاں مختلف نظموں کی شکل میں بھی اسے سراہا گیا تھا۔

خود مولانا ظفر علی خان نے اپنی نظم بازارگانِ اسلام کی صدا کے تحت لکھا تھا:

ہوئی کل روحِ اکبر جنت الفردوس میں شاکی کہ رسمیں چھوڑ دیں اسلامیوں نے اپنے آبا کی
جوانی میں صراطِ عشق پر ثابت قدم رہ کر بڑھاپے میں مسلماں ہو گئے صرفِ ہو سناکی

غمِ دزد اور غمِ کالا سے فارغ ہوتے جاتے ہیں
نہ فکر امروز کی ان کو نہ پروا ان کو فردا کی
نہ خوف ان کو خدا کا اور نہ پیغمبر کی شرم ان کو
بڑھی اس درجہ ان توحید کے بیٹوں کی بے باکی
نئی تہذیب نے انڈے دیے لاہور میں آکر
اور ان کے نقرئی بچوں کی چوں چوں بن گئی "ٹاکی"
ادھر بہلا رہے ہیں جی جنابِ شیخ "ٹاکی" سے
ادھر مسعیٰ میں کھیلا چاہتا ہے جان بل ہاکی
مرے اور ان کے مشرب میں تفاوت ہے تو اتنا ہے
میں ہوں لب تشنۂ زم زم، انھیں ہے پیاس گنگا کی
صدا بازارِ اسلامی سے آئی نور کے تڑکے
وہی ہے بختیار اس عہد میں جو ہو گیا کاکی

اس نظم میں دو باتوں کی طرف توجہ ضروری ہے۔ اول یہ کہ جس زمانے میں مولانا ظفر علی خان اسلامی بازار کی تحریک کے لیے کوشاں تھے اسی دور میں لاہور میں سید امتیاز علی تاجؔ نے فلمی صنعت کو ترقی دینے کے لیے ایک لمیٹڈ کمپنی "بنام سلور ٹون ٹاکیز" (Silver Tone Talkies) قائم کی تھی۔ یاد رہے کہ مولانا ظفر علی خان نے سلور ٹون ٹاکیز لمیٹڈ کمپنی کی شدید مخالفت کی تھی۔ اس وقت مسلمانانِ پنجاب کا غالب حصّہ اس مخالفت میں پیش پیش تھا۔ اس دور کے روزنامہ زمیندار میں شائع ہونے والے "مدیر کے نام خطوط" سے اس بات کی توثیق ہوتی ہے۔ مفلس مسلمانوں کو عیش وعشرت کی دعوت جب کہ دوسرے خط کا عنوان ہے مسلمانوں کو خود کشی کی دعوت اب ایک طرف تو سلور ٹون کمپنی کی مسلم حلقوں کی جانب سے مخالفت ہو رہی ہے دوسری طرف پنجاب کا ہندو پریس اس کی تعریف میں یوں رطب اللّسان ہے۔ لاہور کے روزنامہ بندے ماترم نے لکھا تھا کہ

> جس وقت سے ہندوستانی ٹاکیز تیار ہونا شروع ہوئی ہیں اس وقت سے فروغ اس **تجارت** کو حاصل ہوا ہے وہ آج تک کسی چیز کو نصیب نہیں ہوا۔ ہماری رائے میں اس وقت اس کمپنی کی سخت ضرورت ہے اور سلور ٹون ٹاکیز لمیٹڈ نے اس ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ ناظرین کو چاہیے کہ ضرور اس شاندار انسٹی ٹیوشن میں حصّہ لیں۔

روزنامہ ملاپ نے کمپنی کے قیام پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا کہ روپیہ والوں کے لیے یہ بہترین موقع ہے کہ اپنے روپے کے ذریعے اس تجارت کو فروغ دیں۔

روزنامہ پرتاپ نے بھی تجارت کے نقطۂ نگاہ سے اسے بڑا فائدہ مند کاروبار قرار دیا تھا۔ پارس نے بھی سید امتیاز علی تاج کی تعریف کرتے ہوئے اس کمپنی کے ساتھ تعاون کی اپیل کی تھی۔

دوم خواجہ بختیار کاکی طبقہ صوفیا میں ایک بہت پائے کے بزرگ گزرے ہیں۔ کاکی آپ اس لیے کہلاتے ہیں کہ آپ کی کرامت سے آپ کے توشہ توکل نے لاکھوں گرسنہ مریدوں کو بیک وقت روٹیاں دے کر شکم سیر کر دیا تھا۔ کاک فارسی زبان میں روٹی کو کہتے ہیں۔

دل چسپ بات یہ ہے کہ کراچی کے سندھ مدرستہ الاسلام کے ایک طالب علم محمد شریف نے بھی "اسلامی بازار" کے زیر عنوان درج ذیل نظم روزنامہ زمیندار میں شائع کروائی تھی۔

عظمتِ رفتہ کا آنکھوں میں پھرے گا نقشہ　　جب مسلمان کا کھل جائے گا اپنا بازار
پھر نہ کوئی بھی کہے گا کہ مسلمان ہے "کمیّن"　　بلکہ پھر اس کو بنائیں گے سب اپنا سردار
پھر نہ منّت کشِ اغیار مسلماں ہو گا　　پھر نہ غربت کے نظر آئیں گے اس میں آثار
آج جو گردنیں اکڑی ہیں وہ جھک جائیں گی　　اور نہ یوں فرطِ تکبر سے ہنسیں گے اغیار
جب کہ خود خواجۂ یثرب نے تجارت کی ہو　　کیوں نہ پھر آج بنیں سارے مسلمان تجّار
ہند میں جب کہ مسلمان ہو ٹامی کا غلام　　اور ہو چاروں طرف غلبۂ خیلِ اشرار
اور پھر چرخِ ستم گر کی غلامی کے طفیل　　سر پر ہو تاج، نہ ہو ہاتھ میں اس کے تلوار
ہے تجارت کے سوا کوئی بھی ایسی تدبیر　　دور سب ملتِ بیضا کے جو کردے افکار؟

"سلور ٹون ٹاکیز لمیٹڈ"

کیا ہے تھیٹر میں ہی ملتِ بیضا کی نجات　　جس کے اجرا کے لیے کرتے ہیں لیڈر اصرار
قصرِ ٹاکیز بناتے ہیں وہ لاہور میں آج　　یعنی اخلاق کا کرتے ہیں وہ تعمیر مزار
ہم نے مانا کہ بڑا لطف ہے "ٹاکی" میں مگر　　اس سے ہوتا نہیں ایوانِ غلامی مسمار

مسلم بازار تحریک کے ضمن میں یہ بات خصوصی توجہ کی مستحق ہے کہ ابھی مولانا ظفر علی خان نے اپنا پروگرام مسلمانوں کے سامنے رکھا ہی تھا کہ ہندو پریس پنجے جھاڑ کر آپ کے پیچھے پڑ گیا۔

دراصل ہندو قوم کی نفسیات کا یہ پہلو سامنے رکھنا نہایت ضروری ہے کہ وہ آج تک اپنی مسلم دشمنی سے باز نہیں آئی اور نہ ہی وہ آئندہ کبھی آئے گی۔ یاد رہے کہ مولانا ظفر علی خان اپنی تقاریر میں بارہا اس بات کی وضاحت کرتے رہے کہ مسلم بازار کی تحریک ہندوؤں کے خلاف نہیں، لیکن چوں کہ یہ تحریک مسلمانوں کے معاشی مفادات کو مستحکم کرنے کی غرض سے شروع کی جارہی تھی اس لیے یہ ہندو سامراج کو ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

ضمنی طور پر یہ بات پیشِ نظر رہے کہ ہم نے ہندو اخبارات تو کیا خود مسلم اخبارات زمیندار، احسان، الامان، نوائے وقت، منشور، عصرِ جدید، مارننگ نیوز، مسلم ٹائمز، ڈکن ٹائمز کو محفوظ رکھنے کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اس لیے ہندو اخبارات کے تحفظ کا ذکر ہی کیا کرنا۔

لیکن اگر آج ملاپ، پربھات، بندے ماترم، ویر بھارت، کیسری، تیج اور دیگر ہندو اخبارات تک رسائی ہوتی تو شاید ہم ہندو سوچ اور ذہن کو بہتر طریق پر سمجھ سکتے۔

مولانا ظفر علی خان کی اسلامی بازار کی تجویز پر ہندو پریس کس طرح سیخ پا ہوا، درج ذیل اداریوں اور مضامین سے اس کا بخوبی اندازہ ہو سکے گا[۱]:

## اسلامی بازار

ہندو پریس کی طرف سے "خیر مقدم"

ملاپ، لاہور نے اسلامی بازار تحریک کے خلاف اپنے دل کے پھپھولے یوں نکالے:

> اسی طرح کے ایک قوم پرست لیڈر مولانا ظفر علی خان ہیں۔ ہمیں نہ ان کی قوم پرستی میں شک ہے نہ فرقہ پرستی میں۔ وہ دونوں ہی ہیں اور خوب زور سے ہیں۔ آدمی اچھے ہیں، ہم ان کے بعض جذبات کے لیے ان کی عزت کرتے ہیں اور بعض جذبات کے لیے خدا سے پرارتھنا کرتے ہیں کہ وہ انھیں سیدھی راہ پر لائے۔ اپنے اخبار میں حال ہی میں انھوں نے ایک "اسلامی بازار" کی تجویز پیش کی ہے۔ اس تجویز کو پیش کرنے کے بعد بھی اگر مولانا کو یہ وہم ہو کہ وہ خالص کانگریسی قوم پرست ہیں تو انھیں چاہیے کہ وہ غبی سے اپنے دماغ کا تبادلہ کر لیں۔ کیونکہ بہت پاگل ہونے پر بھی غبی ایسی بے سمجھی کی باتیں نہیں سمجھتا جیسی کہ مولانا سمجھتے ہیں۔ اس بازار کا مطلب سیدھے سادھے الفاظ میں یہ ہے کہ مسلمانوں کو اقتصادی طور پر اور تجارتی طور پر ہندوؤں سے علاحدہ کر دیا جائے۔ سر اقبال انھیں سیاسی طور پر ہندوؤں سے علاحدہ کرنا چاہتے ہیں۔ مولانا ظفر علی خان انھیں تجارتی اور اقتصادی طور پر علاحدہ کرنا چاہتے ہیں، پھر دونوں میں فرق کیا ہے؟ لیکن اب بھی مولانا ظفر علی خان کے نزدیک سر اقبال فرقہ پرست اور وہ خود قوم پرست ہیں اور ایک خیال آتا ہے کہ مذہبی طور پر مسلمان پہلے ہی سے ہندوؤں سے جدا ہیں، مجلسی طور پر مولویوں اور مُلّانوں نے کر دیا ہے۔ سیاسی طور

پر سر اقبال کر دیں گے، تجارتی اور اقتصادی طور پر مولانا ظفر علی خان کر دیں گے۔ پھر بھی اگر وہ متحد رہیں تو اسے خدا کی شان ہی سمجھنی چاہیے۔
یہ ہے مولانا کی اسکیم جس سے وہ "ہندوستان کی آزادی" حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن غنی کے نزدیک یہ بھی مبارک ہے۔ اگر ماجھا امیر ہو جائے تو "لالہ گنگو کو بھاگ" ہیں۔ اسے تو خوشی ہے لیکن یہ بیل منڈھے چڑھے گی اس کی امید نہیں۔ وہ ایسٹ اینڈ ویسٹ کارپوریشن کو بھول گئے، اس کے سامان کی قرقیاں دہلی میں ہو رہی ہیں۔ وہ بھی تو مسلمانوں کی اقتصادی حالت کو درست کرنے کے خیال سے بنائی گئی تھی۔ مسلم بینک بھی تو اسی کے لیے کھولا گیا ہے ان کی حالت کیا ہے؟ اب آپ یہ کھولنا چاہتے ہیں مبارک ہے کوشش کیجیے۔ لیکن ایک بات آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں اب بھی اپنے آپ کو کانگریسی لیڈر سمجھتے ہیں؟ قربان جاؤں آپ کی اس قوم پرستی پر۔

روزنامہ ویر بھارت، لاہور نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

پنجاب کے ہندو خطرے میں ہیں اس حقیقت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ ان کی حالت اس قدر خطرناک ہو چکی ہے کہ اگر وہ اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے فریاد کرتے ہیں تو مسلمان انھیں بلوچی شمشیریں دکھاتے ہیں، اورنگ زیب اور محمود غزنوی کی یاد دلائی جاتی ہے۔ مولانا ظفر علی خان اسلامی بازار کی آڑ میں ہندوؤں کے اقتصادی بائیکاٹ کی تلقین کرتے ہیں۔ سیاست جنگی تیاریوں کے لیے کھلے الفاظ میں عام مسلمانوں کو دعوت دے رہا ہے۔ الامان تو صاف الفاظ میں چیلنج کرتا ہے کہ:

مسلمانوں کی عریاں ہو گئیں جس روز شمشیریں
بدل ڈالیں گے اقوامِ زمانہ کی وہ تقدیریں

ان حقائق کی موجودگی میں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہندوؤں کا فرض کیا ہے۔ اس بات کی ضرورت نہیں کہ ہندو ہری سنگھ، نلوہ، سیواجی مرہٹہ یا پرتھوی راج چوہان کے کارناموں پر فخر کریں اور ان دنوں کی یاد دلائیں جب راجپوت کیسری جامہ پہن کر میدانِ جنگ میں جاتے تھے۔ ہر ہر مہادیو کے فلک شگاف نعروں سے فضا گونج اٹھتی تھی اور راجپوتی تلوار دشمن کے چھکّے چھڑا دیتی تھی۔ آج امن و امان کا زمانہ ہے، دنیا کی تہذیب بہت دور

جا چکی ہے، جو کام پہلے تلوار سے ہوتا تھا آج دلائل اور کثرت سے ہوتا ہے۔ اس لیے ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہندو سنگھٹ ہو کر ان گمراہ کن خطرناک پروپیگنڈے کی تردید کریں۔

بندے ماترم، لاہور نے اسلامی بازار کی تحریک سے سیخ پا ہو کر ہندوؤں کے جذبات کو یوں برانگیختہ کیا۔

مولانا ظفر علی خان کا دماغ بڑا زرخیز واقع ہوا ہے۔ آپ کو نئی نئی سوجھتی رہتی ہے، چناں چہ اب مسلمانوں کی بہتری کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی ہے اور چاہتے ہیں کہ دنیا بھر کی دولت ان کے ہم مذہبوں کی جیب میں آجائے اور ان کے مسکن قارون کے خزانے سے بھر جائیں۔ اس سلسلہ ذیل میں آپ نے تجویز پیش کی ہے کہ ایک اسلامی بازار کھولا جائے تاکہ مسلمان نہ ہندوؤں کی دکانوں پر بھٹکیں اور نہ ان سے کوئی جنس خریدیں۔ یہ تجویز کھلے طور پر ہندوؤں کے بائیکاٹ کی تحریک ہے۔ ایک طرف آپ ہندوؤں سے دوستی کا دَم بھرتے ہیں مگر دوسری طرف ان کے درپئے تخریب ہوتے ہیں۔ حضرت صاحب کیوں نہیں کہتے کہ مسلمانو! ہندوؤں سے عدم تعاون کرو۔ ماشا اللہ آپ کی دورنگی پر اگر اس شعر کو نچھاور کیا جائے تو بے جانہ ہوگا۔

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

ایک دوست نے آپ کی تجویز کو اس پنجابی مثل کا نذرانہ پیش کیا ہے

نالے ماسی تے نالے چونڈیاں

اسلامی بازار پر ہندو اخبارات کے تبصروں میں الفاظ کے استعمال پر غور کیجیے اس میں سے کس قدر مسلم دشمنی کی بدبو آرہی ہے۔ "پاگل"، فرقہ پرست، سامان کی قرقیاں، اورنگ زیب، محمود غزنوی، بلوچی شمشیریں، ہری سنگھ نلوہ، سیواجی مرہٹہ، پرتھوی راج پر "فخر"۔ "پھاماجہ" (پنجابی زبان میں پھابھائی کو کہتے ہیں اور معراج الدین کا نام بگاڑ کر اسے ماجھا کہتے ہیں)

اسلامی بازار کے سلسلے میں بنیا قوم کی مخالفت ان کے اخبارات ہی کے ذریعے نہیں ہوتی تھی بلکہ اس مخالفت کو نہ صرف مسلم اخبارات بلکہ خود عام مسلمان بھی محسوس کیا کرتے تھے۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۳۳ء کو شیخ قمر الدین (موجد اسلامی رنگین سینری قطعات، گجر گلی، موچی دروازہ لاہور) نے اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ "ہندو جرائد کے مطالعہ

سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلامی بازار کی تحریک کو مضحکہ خیز نظروں سے دیکھ رہے ہیں، اور ہر اشاعت میں اس کی ناکامی کے متعلق پیش گوئیاں کر رہے ہیں۔ اب مسلمانوں کی عزت اور حمیّت کا تقاضا ہے کہ وہ اغیار کے طعن و تشنیع کا عملی جواب دیں اور اس تحریک کو مسلمان تاجر جو تجارت کے متعلق وسیع تجربہ رکھتے ہیں جلد از جلد اپنے ہاتھ میں لیں"[۱]۔

مولانا ظفر علی خان کی اسلامی بازار کی تحریک نے مسلمانوں میں "تجارتی شعور" پیدا کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا تھا، کئی ایک مسلمانوں نے اس موضوع پر اخبارات میں مضامین لکھے جن میں اس میدان میں مسلمانوں کی ناتجربہ کاری کا تجزیہ کیا گیا اور ان کی خامیوں کی نشان دہی کی گئی تھی۔ اس سلسلے میں محلہ سادات گنج وسن پورہ کے میر تاج الدین کے دو مضامین کا ذکر ناگزیر ہے۔ ان مضامین کا عنوان ملاحظہ فرمایے: "مسلمان دکان داروں اور مسلمان خریداروں کے لیے قابلِ غور نکات۔ اسلامی بازار کے متعلق چند اہم مشورے"۔ اپنے ان مضامین میں (۵ نومبر ۱۹۳۲ء اور ۱۶ نومبر ۱۹۳۲) میں میر تاج الدین نے مسلمانوں کی تجارت کے اصول و قواعد سے ناواقفیت کا تذکرہ کیا تھا۔

میر تاج الدین کا کہنا تھا کہ عام طور پر یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ ایک روپے کا مال اٹھارہ یا انیس آنے میں بیچ دینا دکان داری ہے، لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اول تو مال کی خریداری نہایت ہوشیاری کا کام ہے کہ چار آنے کی خوردہ چیز جو بازار میں بکے گی وہ گھر میں کتنے میں پڑتی ہے، مال کو سنبھالنا، موسمِ گرما و موسمِ سرما اور برسات کی زد سے محفوظ رکھنا، سجاوٹ، خوش معاملگی، میٹھا بول، اشتہار، مال کی نکاسی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کتنے سرمائے سے کون سا کام کرنا ہے اور کس پیمانے پر۔ اسی مناسبت سے دکان کا کرایہ اور دیگر اخراجات وغیرہ۔ انھوں نے تجارت میں کامیابی حاصل کرنے کے سلسلے میں مزید چند گُر بتلائے جن کے مطابق اگر آپ کے پاس بارہ چودہ سو روپے کی راس پونجی ہے تو آپ انارکلی جیسے مہنگے علاقے میں جگہ تلاش کر رہے ہیں تو یہ آپ کی ناتجربہ کاری کی دلیل ہے۔ تجارتی اصول یہ کہتا ہے کہ اگر ایک شخص کے پاس چار ہزار روپے ہیں تو وہ ایک ہزار روپے سے کاروبار شروع کرے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے دو چار سال کسی "پختہ کار" دکان دار کی شاگردی میں مال کی نکاسی میں گزارے۔ نیز بہی کھاتہ اور حساب کتاب رکھنے میں بھی اسے کماحقہ واقفیت حاصل ہو۔

میر تاج الدین کی رائے میں یہ ضروری تھا کہ دکان دار کو یہ معلوم ہو کہ فلاں چیز کون سی منڈی سے بہتر دستیاب ہو سکتی ہے۔ امرتسر و دہلی کی منڈیوں سے یا کراچی، بمبئی و کلکتہ کی منڈیوں سے۔ انھوں نے اپنے تجربے کی بنا پر اس بات کی نشان دہی کی کہ معمولی حیثیت کے دکان دار نے سیدھا ولایت سے مال منگوا لیا اور چوں کہ مقدار

میں تھوڑا تھا اس لیے خرچہ پیکنگ، مال گاڑیوں کی بجائے پسنجر اور پسنجر کی بجائے ڈاک پارسل میں آنے کی وجہ سے ہندوستانی منڈیوں سے بھی گراں پڑا۔

میر صاحب کے خیال میں یہ تمام باتیں ناتجربہ کاری کے سبب تھیں۔ انھوں نے ڈبی بازار کے ایک مسلمان تاجر کا ذکر کیا جو اسی سبب پانچ سات ہزار کی راس پونجی لٹا بیٹھے۔ اس مضمون سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں ناتجربہ کاری، راس مال کی کمی اور ہندوؤں کا اس معاملے میں طرزِ عمل معاشی میدان میں ان کی پسماندگی کا سبب بنا رہا۔

میر تاج الدین نے اپنے تجربے کا نچوڑ پیش کرتے ہوئے لکھا کہ اب حالات تبدیل ہو چکے ہیں۔ مسلمان دکان داروں کی اب کمی نہیں اور ان میں اپنی معاشی حالت کو بہتر بنانے کا احساس بھی پیدا ہو چکا ہے، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ آٹھ کروڑ مسلمان عہد کرلیں کہ وہ صرف مسلمان دکان داروں ہی سے سودا خریدیں گے تو آج ہم برادرانِ ہنود کی طرف دستِ سوال دراز سے مستغنی ہو جاتے ہیں[۱۸]۔

مولانا ظفر علی خان کی تجویز کو انجمن اتحاد و ترقی کے سیکرٹری ڈاکٹر فیروز الدین نے عملی جامہ پہنانے کے لیے "مجلسِ منتظمہ اسلامی بازار" کے نام سے ایک مجلس کی تشکیل کی۔ اس مجلس کے صدر شیخ صادق حسن (ایم ایل اے) اور شیخ محبوب الٰہی (ایڈوکیٹ) جنرل سیکرٹری مقرر کیے گئے جب کہ مولانا ظفر علی خان کو اس مجلس کا سرپرست مقرر کیا گیا تھا۔ مجلس کے ارکان میں لاہور کے اہم تاجر اور ممتاز شخصیات کو شامل کیا گیا تھا، نام ملاحظہ فرمایئے: (۱) ملک نور احمد رئیس، مالک لائٹ ہاؤس مال روڈ (۲) شیخ عنایت اللہ، منیجنگ ڈائریکٹر تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور (۳) شمس الدین حسن، مالک جریدہ خاور لاہور (۴) حکیم نورالدین، کشمیری بازار (۵) شیخ فیاض الدین رئیس، انار کلی لاہور (۶) عبد اللطیف، منیجنگ ڈائریکٹر نارتھ ویسٹرن کمرشل کمپنی لمیٹڈ لاہور (۷) محمد حسین، سیکرٹری مسلم بنک لاہور (۸) میسرز غلام محمد اینڈ سنز، مالک محمڈن کلاتھ ہاؤس (۹) محمد اسماعیل، مالک ویسٹرن الیکٹرک کمپنی لاہور (۱۰) خواجہ عبد الغنی سوداگر چرم (۱۱) شیخ رحیم بخش پروپرائٹر ایس رحیم بخش اینڈ سنز (۱۲) شیخ نیاز علی (ایڈوکیٹ) (۱۳) پروفیسر سید عبد القادر (۱۴) حکیم محمد حسن قرشی، پرنسپل طبیہ کالج لاہور (۱۵) چودھری عبد الکریم رئیس و میونسپل کمشنر (۱۶) نواب زادہ خورشید علی خان (۱۷) سیکرٹری انجمن اسلامیہ، باغبان پورہ لاہور (۱۸) بابو محمد بخش (۱۹) مولانا غلام رسول مہر (۲۰) غلام محی الدین قصوری، ایڈوکیٹ (۲۱) میاں محمد فضل الٰہی، رئیسِ اعظم، لارنس روڈ (۲۲) سیکرٹری مسلم اسکاؤٹس ایسوسی ایشن، پنجاب (۲۳) مولانا عبد الحنان، نائب ناظم جمعیۃ العلما پنجاب

(۲۴)صوبے دار عبد الغنی، موچی دروازہ (۲۵) شیخ عظیم اللہ، میونسپل کمشنر (۲۶) میاں عبد الرحیم رئیس، گڑھی شاہو (۲۷) حاجی محمد میاں رئیس، باغبان پورہ (۲۸) میاں مبارک دین، میونسپل کمشنر (۲۹) حکیم سید ظفریاب علی۔

۱۲ نومبر ۱۹۳۲ء کو مجلسِ منتظمہ کا پہلا اجلاس ملک نور احمد (مالک لائٹ ہاؤس) کے مکان واقع قلعہ گوجر سنگھ میں منعقد ہوا۔ دوسرا جلسہ ۱۵ نومبر ۱۹۳۲ء کو سیسل ہوٹل منٹگمری روڈ پر ہوا تھا۔ ۱۵ نومبر ۱۹۳۲ء کو اسلامی بازار کے لیے ایک دفتر لیا گیا۔

مجلسِ منتظمہ کے سامنے سب سے اہم کام نمائش کا انعقاد تھا۔ اس سلسلے میں ۲۵ نومبر ۱۹۳۲ء کو اخبارات میں اس کی تفصیل ارسال کی گئی، اس کے ساتھ ہی آل انڈیا تاجر کانفرنس کے اجلاس کے انعقاد کا بھی اعلان کیا گیا۔

پہلے یہ نمائش اسلامیہ کالج لاہور کے وسیع گراؤنڈ میں ۲۶ دسمبر تا ۳ جنوری ۱۹۳۳ء تک منعقد کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا لیکن جب اس میدان کی پیمائش کی گئی تو وہ اراکینِ مجلس کے اندازے سے بہت کم نکلی۔ بعد ازاں شیخ محبوب الٰہی نے لاہور میونسپلٹی کے صدر میاں عبد العزیز مالواڈہ سے باغ بیرون دہلی دروازہ میں نمائش منعقد کرنے کی اجازت حاصل کی اور اسلامی بازار کے لیے دکانیں بنانے کا کام شروع کر دیا گیا۔

۲۳ دسمبر ۱۹۳۲ء کو سر عبد القادر نے اسلامی بازار کی نمائش کا افتتاح کرنا تھا مگر اس روز اس قدر زور کی بارش ہوئی کہ تمام باغ پانی سے بھر گیا اور تیز و تند ہوا کی وجہ سے بہت سی دکانیں گر گئیں، چناں چہ دو روز بعد ۲۵ دسمبر کو سر عبد القادر کے ہاتھوں اس نمائش کا افتتاح عمل میں آیا تھا۔

نمائش کی افتتاحی تقریب سے قبل باغ کے ایک وسیع میدان میں ایک جلسۂ عام منعقد ہوا جس میں شیخ محمد عبد اللہ کشمیری نے قرآنِ مجید کی تلاوت فرمائی۔ شیخ صادق حسن نے اسلامی بازار کے اغراض و مقاصد بیان کیے۔ سر عبد القادر نے "تجارتِ اسلامیہ" کے موضوع پر تقریر کی، پھر اسلامیہ اسکول بھاٹی دروازہ کے مسلم اسکاؤٹس نے اپنے ماسٹر اللہ رکھا صاحب کی نگرانی میں کھیل دکھائے۔

بعد ازاں سر عبد القادر نے ریشمی ڈوری کی گانٹھوں کو کھول کر نمائش کا افتتاح کیا۔ اس کے بعد نمائش کے وسیع میدان میں مولانا ظفر علی خان نے اسلامی بازار کی غرض و غایت کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ مولانا نے ایک مرتبہ پھر اس بات کی وضاحت کی کہ یہ ایک اقتصادی اسکیم ہے۔ ہماری کسی قوم سے کوئی دشمنی نہیں، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ایک روپے کا سامان خریدتے وقت حتی الامکان بارہ آنے کا سودا اپنے مسلمان بھائی کی دکان سے خریدے اور چار آنے کا دوسری قوموں سے۔ یہ اسکیم مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی اور مالی پریشانیوں کو دور کرنے کے لیے جاری کی

گئی ہے۔ ہندوستان میں صحیح معنوں میں اتفاق اس وقت ہو گا جب یہاں بسنے والی ہر قوم مال دار ہو گی، بھلا "خوشحال" چند اور "فلوس" خان کا اتحاد کیسے ہو سکتا ہے۔

مولانا ظفر علی خان نے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ تجارت میں بھرپور حصہ لیں، ان کی آڑھتیں ہوں، ان کی تھوک فروشی کی دکانیں قائم ہوں۔ انھوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ مول چند جیٹھانی مارکیٹ کی طرح مسلمانوں کی بھی پنجاب میں بے شمار مارکیٹیں ہوں، ان کی ملیں ہوں، ان کے کارخانے ہوں اور وہ صحیح معنوں میں روپے پیسے کی قدر کرنا سیکھیں۔

اس نمائش میں لاہور کے جن تاجروں نے حصہ لیا ان میں بمبے کلاتھ ہاؤس، کرنال بوٹ شاپ، اردو بک اسٹال، حاجی عبدالسبحان خان شال مرچنٹ بزاز ہٹہ، فینسی ایمبرائڈری ورکس (مالک جلال الدین) انار کلی بازار، مسلم کشمیر بزاز ہٹہ، (مالک حاجی عبدالرحمن خان) مسلم کلاتھ ہاؤس، میسرز نور احمد بشیر احمد لیس والے (کناری بازار) چیف بوٹ ہاؤس انار کلی بازار، ہائی کلاس واچ سنہری مسجد ڈبی بازار، مبارک علی خان اسپورٹس والے، انڈین واچ کمپنی انار کلی بازار، مسلم کیپ ہاؤس (مالک محمد اشرف خان)، میسرز فیروزالدین مظفر الدین چوڑی فروش ڈبی بازار، میسرز محمد علی غلام حسن شیشے والے ڈبی بازار، بمبے کیپ ہاؤس ڈبی بازار (مالک محمود خان)، میسرز ایچ ایس پیر بخش بوٹ شاپ انار کلی بازار، شیخ جی مٹھائی والے انار کلی بازار، حاجی دین محمد مچھلی والے چوک وزیر خان، میاں چراغ دین فضل الدین میوہ فروش شاہ عالمی دروازہ، فیاض حسن مٹھائی والے چوہٹہ مفتی باقر، میاں محمد صاحب حلوائی لنڈا بازار، تاج محل ہوٹل لاہور، نور دین شیر فروش چوک وزیر خان، میاں کرم بخش چائے فروش چوہٹہ مفتی باقر، شیخ محمد حسن اینڈ سنز کشمیری دروازہ لاہور، چودھری جلال الدین پنجاب ہوزری کارپوریشن ذیلدار روڈ لاہور، پنجاب پولٹری ورکس مسلم پورہ گجرات (مالک: میاں حبیب اللہ)۔

ان دکانوں میں گھڑیوں اور ٹوپیوں کی دکانیں خاص طور پر ہماری توجہ کا مرکز اس لیے بنتی ہیں کہ اس دور میں گھڑی کا ہاتھ پر باندھنا یہ ظاہر کر رہا ہے کہ لوگوں میں وقت کی اہمیت کا کس قدر احساس تھا۔ دوسرے ٹوپیوں کا استعمال ہمارے معاشرے میں کس قدر جاری و ساری تھا اور ننگے سر رہنا کس قدر معیوب سمجھا جاتا تھا۔

اس نمائش میں لاہور اور گجرات کے مسلمانوں کی دکانوں کے علاوہ سری نگر کے میسرز خضر محمد اینڈ سنز، اسٹیٹ جیولر کشمیر ۲۰ ہزار کی مالیت کا چاندی کا سامان، اور خواجہ غلام حسن احد شاہ شال مرچنٹ ہر قسم کے کاڑھے ہوئے دوشالے، قمیص اور عورتوں کے متعلق سامان لائے تھے۔ اس نمائش میں تقریباً سوا لاکھ روپے کا سامان آیا تھا جس میں سے ۳ جنوری ۱۹۳۳ء کی دوپہر تک ۲۵ ہزار روپے کا سامان فروخت ہو چکا تھا۔

نمائش کے سلسلے میں اس دور کے مسلم معاشرے کی ایک اہم صفت کا ذکر نہ کرنا ظلم ہو گا۔ اس دور کے مسلمان اور تنظیمیں اپنے حساب کتاب عوام کے لیے کھلا رکھا کرتی تھیں۔ اس ضمن میں زمیندار ٹرکش ریلیف فنڈ کے حساب کتاب کی مثال پیش کی جاسکتی ہے کہ اس دور کے لاکھوں روپے کی آمد اور قسطنطنیہ روانگی کا حساب کتاب باقاعدہ طور پر دفتر زمیندار میں آویزاں کیا جاتا تھا اور ہر شخص کو اسے چیک کرنے کی اجازت تھی۔

اسلامی بازار کی یہ دوسری مثال ہے۔ مجلسِ منتظمہ کے سیکرٹری شیخ محبوب الٰہی نے روزنامہ زمیندار میں یہ اعلان شائع کروایا تھا کہ "مجلس کا حساب کتاب آمد و خرچ بالکل مکمل ہے۔ دفتر نے ہر چیز کا باقاعدہ حساب رکھا ہے جس کی "صحت" کے لیے صدرِ مجلس نے مسلم بینک کے ایک اکاؤنٹنٹ محمد اسحاق کو مقرر کیا ہے" انھوں نے اعلان کیا کہ مجلس کا حساب کتاب ہر شخص کے لیے کھلا ہے۔

اسلامی بازار کے سلسلے میں یہ دلچسپ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ نمائش کے دوران پنجابی مشاعرے بھی ہوتے رہے خاص کر وہ مشاعرہ نہایت پُر رونق رہا جو استاد ہمدؔم کی زیرِ صدارت منعقد ہوا تھا اور جس میں تمام مقامی و بیرونی پنجابی شعرا نے حصہ لیا تھا۔

اسلامی بازار تحریک کا ایک نہایت مثبت پہلو ۱۹۳۳ء میں پنجاب مسلم ایوانِ تجارت و صنعت کی شکل میں سامنے آیا تھا جس کے صدر شیخ صادق حسن مقرر کیے گئے تھے۔

## حوالہ جات:


۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے میری مرتبہ زیر طبع کتاب *Zafar Ali Khan As a Parliamentarian*

۲۔ احمد سعید، مارچ ۲۰۰۴ء، مسلمانانِ پنجاب کی فلاحی اور سماجی انجمنیں، ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان، لاہور، ص ۶۳

۳۔ ____ ، مئی ۲۰۱۵ء، گفتارِ ظفر علی خان، (جلد اول)، مولانا ظفر علی خان ٹرسٹ، لاہور، ص ۱۴۶

۴۔ ایضاً، ص ۱۶۰

۵۔ ایضاً ص، ۲۰۱۔۲۰۲

۶۔ ایضاً، ص ۲۱۲

۷۔ ایضاً، ص ۲۲۰

۸۔ ایضاً، ص ۲۲۷

۹۔ گفتارِ ظفر علی خان، جلد دوم، غیر مطبوعہ، مقبوضہ مرحوم ظفر علی خان ٹرسٹ غفرلہ، ص ۱۰۴

۱۰۔ ____ ، جلد دوم، ص ۱۰۷

۱۱۔ روزنامہ ستارۂ صبح، ۳۰ نومبر ۱۹۱۷ء

۱۲۔ احمد سعید، مارچ ۲۰۰۴ء، ص ۲۵۷۔۲۵۸

۱۳۔ روزنامہ زمیندار، ۹ ستمبر ۱۹۳۲ء

۱۴۔ ______، ۲۷ جنوری ۱۹۳۳ء

۱۵۔ ______، ۹ دسمبر ۱۹۳۲ء

۱۶۔ ______ ۲ دسمبر ۱۹۳۳ء

۱۷۔ ______، ۱۶ ستمبر ۱۹۳۲ء

۱۸۔ ______، ۱۶ نومبر ۱۹۳۲ء


## Abstract

The article explains the conception of *Islami Bazaar* (Islamic Market) shared by an Urdu poet, noted editor and political figure Maulana Zafar Ali Khan persuading the Muslims of the undivided India to buy 75% of their groceries and other items of need from Muslim businessmen and the rest from others. The conception was meant to uplift the economic wellbeing of Muslims as they were then economically backwards. Maulana Zafar Ali Khan held public gatherings and offered to devise a system to encourage the Muslims to pay heed to it. In his public meetings, he shared the teachings of the holy Prophet Muhammad (pbuh) as he encouraged his companions to do tijarat (business) as 9/10 of income can be derived from business. Maulana supported the concept not only in his some of the talks and travelled to some parts of India to persuade the majority to Muslims. The concept of Maulana was received by the majority of Hindus as an attack on their economic conditions and they criticized him whether he was for the India or against. Maulana had to clarify it on several occasions.


**Keywords:** Islami Bazaar, Maulana Zafar Ali Khan, backwards economic conditions of Muslims.